مولانا محمد یوسف کراچوی لاہور

# ایک تفسیری روایت اور اس کی اسنادی تحقیق

حضرت ولید بن عقبہ ایک صحابی رسول ہیں، فتح مکہ کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اس لحاظ سے یہ اگرچہ زمرۂ سابقین میں نہیں آتے لیکن قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے جو مسلسل سیاسی و انتظامی خدمات سر انجام دیں، اُن کی وجہ سے انہیں تاریخِ اسلام میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے دور میں یہ پیہم مصروفِ عمل رہے۔

۱۲ھ میں حضرت خالد بن ولید کے ساتھ مصروفِ جہاد رہے۔ جنگِ مذار کے موقعے پر، جو فارس کے ساتھ ہوئی تھی، حضرت خالدؓ نے انہیں فتح کی خوش خبری اور مالِ غنیمت دے کر اور معرکہ کارزار کی سیاسی و جنگی صورتِ حال سمجھا کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس بھیجا، حضرت ولید جس وقت حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے، انہوں نے انہیں پھر ایک دوسرے محاذ پر جنگی امدادی سامان لے کر روانہ کر دیا۔ جہاں حضرت عیاضؓ بن غنم کی سرکردگی میں جنگ لڑی جا رہی تھی۔

۱۳ھ میں یہ حضرت ابو بکرؓ کی طرف سے قضاعہ قبیلے کے صدقات وصول کرنے پر مامور تھے نیز جب حضرت ابو بکرؓ نے شام کی فتح کا قصد کیا تو اس اہم کام کے لیے ان کی نظرِ انتخاب جن دو شخصوں پر پڑی، اُن میں ایک حضرت عمروؓ بن العاص تھے۔ دوسرے یہی حضرت ولیدؓ بن عقبہ تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کو حضرت ابو بکرؓ نے فوج کا قائد بنا کر فلسطین روانہ کیا اور حضرت ولید کو قائدِ لشکر بنا کر اُردن کی طرف روانہ کیا۔

۱۵ھ کے واقعات میں ملتا ہے کہ حضرت ولیدؓ حضرت عمرؓ کی طرف سے بلادِ بنی تغلب اور

عرب الجزیرہ پر مامور تھے۔ ۲۱ھ میں جب شاہِ رُوم نے حمص کے مقام پر مسلمانوں کا محاصرہ کرنا چاہا، اس وقت بھی انہوں نے ایک طرف اپنی مجاہدانہ سرگرمیاں جاری رکھیں اور دوسری طرف جزیرہ کی عیسائی آبادی کو مسلمان بنانے کی پوری کوشش کی۔[1]

حضرت عثمانؓ کے دور میں پانچ سال کوفے کے گورنر رہے۔ وہاں انہوں نے اپنی انتظامی و جنگی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا اور متعدد علاقے فتح کر کے اسلامی قلمرو کی وسعت میں اضافہ کیا۔ ایک مجلس میں امام شعبیؒ کے سامنے حضرت مسلمہ کی جنگی مہمات کا تذکرہ کیا گیا۔ امام شعبیؒ نے اس وقت کہا:

"کَیْفَ لَوْ اَدْرَکْتُمُ الْوَلِیْدَ، غَزْوَہٗ وَاِمَارَتَہٗ! اِنْ کَانَ لَیَغْزُوْ فَیَنْتَھِیْ اِلٰی کَذَا وَکَذَا، مَا تَصَرَّدَ لَا اَنْتَقَضَ عَلَیْہِ اَحَدٌ حَتّٰی عُزِلَ عَنْ عَمَلِہٖ"

اس وقت تمہارا کیا حال ہوتا۔ جب تم ولید کی جنگی و گورنری کی صلاحیتوں کو دیکھ لیتے، جب وہ دادِ شجاعت دیتے تو آس پاس کے علاقے زیرِ نگیں ہوتے جاتے۔ انہوں نے نہ کوئی کوتاہی کی، نہ کسی نے ان پر انگشت نمائی کی تا آنکہ وہ معزول کر دیے گئے"۔[2]

ان کے دورِ گورنری پر مؤرخین نے اس طرح تبصرہ کیا ہے:

"کَانَ اَحَبَّ النَّاسِ فِی النَّاسِ وَاَرْفَقَھُمْ بِھِمْ فَکَانَ کَذٰلِکَ خَمْسَ سِنِیْنَ وَلَیْسَ عَلٰی دَارِہٖ بَوَّابٌ۔

عوام میں محبوب ترین اور ان کے معاملات میں نرم ترین تھے، پانچ سال اسی طرح گورنری کی کہ ان کے دروازے پر کوئی حاجب و دربان نہ تھا"۔[3]

مقصود اس تفصیل سے یہ ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد انہوں نے اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی خدمت میں بھرپور حصہ لیا اور اسلامی معاشرے میں انہیں ممتاز مقام حاصل رہا۔ ان کے متعلق ایک ایسا واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ جو اس پس منظر سے کسی طرح مناسبت نہیں رکھتا۔ آج کی صحبت میں ہم اس کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو: الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۲۵۱، ۲۷۷، ۳۹۰، ۶۰۲۔ ج ۴، ص ۵۰ + ۵۴ دار المعارف مصر ۱۹۶۳ء۔

[2] الطبری، ج ۴، ص ۲۷۷ [3] الطبری، ج ۴، ص ۲۵۲۔

## تفصیل واقعہ:

کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی المصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لیے مامور فرمایا۔ مگر یہ اس قبیلے کے علاقے میں پہنچ کر کسی وجہ سے ڈر گئے اور ان لوگوں سے ملے بغیر مدینہ واپس جاکر یہ رپورٹ دے دی کہ بنی المصطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور مجھے مار ڈالنے پر تل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر غضبناک ہوتے اور آپ نے ان کے خلاف ایک فوجی مہم روانہ کردی۔ قریب تھا کہ ایک سخت حادثہ پیش آجاتا۔ لیکن بنی المصطلق کے سرداروں کو بروقت علم ہوگیا اور انہوں نے مدینہ حاضر ہوکر عرض کیا کہ یہ صاحب تو ہمارے پاس آئے ہی نہیں، ہم تو منتظر ہی رہے کہ کوئی آکر ہم سے زکوٰۃ وصول کرے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ:

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ | اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اگر تمہارے پاس کوئی فاسق آکر خبر دے تو تحقیق کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کے خلاف کاروائی کر بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔ |

(الحجرات: ۶)

## روایت کے مختلف طُرق

بیشتر مفسرین نے آیت کی شان نزول اسی واقعہ کو قرار دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ اس سے متعلق جتنی روایات بھی مختلف طُرق سے مروی ہیں، ان میں کوئی بھی ضعف سے خالی نہیں متصل و منقطع دونوں طریقوں سے یہ روایت آتی ہے۔ مقطوع و مرسل سلسلے مُجاھِد، قَتَادَہ، ابنِ اَبی لَیلیٰ، عِکرِمَہ اور یَزِید بن رُومان پر جاکر ختم ہوجاتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سب طبقہ تابعین میں سے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی واقعے کا عینی شاہد نہیں۔ واقعہ ان حضرات سے ایک صدی قبل کا ہے۔ یہ واقعہ ان کو کس نے بیان کیا یا انہوں نے کون سے عینی گواہوں سے یہ واقعہ سنا۔ ان کے سلسلہ روایات میں اس کی کوئی صراحت نہیں ملتی۔ اس لحاظ سے ان میں سے کوئی بھی روایت قابل حجت

نہیں۔

ان کے علاوہ اس روایت کے بعض طرق جو موصول ہیں، ان میں ایک روایت حضرت اُمّ سلمہؓ کی ہے جسے ایک ثابت نامی شخص ام سلمہؓ سے بیان کرتا ہے اور اپنے کو اُمّ سلمہؓ کا مولیٰ ظاہر کرتا ہے لیکن اول تو اس بات کی کہیں صراحت نہیں ملتی کہ حضرت اُم سلمہؓ کا ثابت نام کا کوئی شخص مولیٰ تھا، دوسرے حضرت ام سلمہ سے جتنی بھی روایات مروی ہیں وہ سب مسند احمد میں موجود ہیں۔ ان میں یہ روایت کہیں بھی نہیں ہے۔ البتہ حافظ ہیثمی اور حافظ سیوطی نے اُمّ سلمہؓ کی یہ روایت طبرانی کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ لیکن دونوں نے اس کی سند ذکر نہیں کی ہے اور حافظ ہیثمی نے صراحتہً فرمادیا ہے کہ روایت کمزور ہے چنانچہ کہا کہ:

"اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ ضعیف ہے"[1]

اس راوی کے ضعف پر ائمہ جرح وتعدیل کا اتفاق ہے: یحیٰی بن سعید کہتے ہیں:

" نَتَّقِي حَدِيْثَهُ ، ہم اس کی حدیث سے بچتے ہیں"

ابنِ عدی کہتے ہیں:

" اَلضَّعْفُ عَلىٰ رِوَايَاتِهٖ بَيِّنٌ۔ اس کی روایات کا ضعف بالکل واضح ہے"

ابنِ مُعین کہتے ہیں:

"لَيْسَ بِشَيْءٍ لَا يُحْتَجُّ بِحَدِيْثِهٖ - وہ لاشی ہے اس کی حدیث قابلِ حجت نہیں"

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں:

"صَدُوْقٌ ضَعِيْفُ الْحَدِيْثِ جِدًّا بجائے خود راست گو ہے لیکن حدیث میں انتہائی کمزور ہے"

علی بن مدینی کہتے ہیں:

"ضَعِيْفُ الْحَدِيْثِ حَدَّثَ بِاَحَادِيْثَ مَنَاكِيْرَ۔ حدیث میں کمزور ہے۔ اس نے بہت سی منکر روایات بیان کی ہیں"

امام احمد کہتے ہیں:

---

[1] مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۱۱۱۔ تفسیر الدر المنثور، ج ۶، ص ۸۸

لَا یُکْتَبُ حَدِیْثُهٗ ، لَا تَحِلُّ الرِّوَایَةُ عِنْدِیْ عَنْهُ هُوَ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ
اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ وہ منکر الحدیث ہے۔ میرے نزدیک اس سے روایت کرنا جائز نہیں" [۱]

دوسری موصول روایت جابر بن عبداللہ سے حافظ ہیثمی نے ہی طبرانی کے حوالہ سے بیان کی ہے۔ جس میں ایک راوی عبداللہ بن عبدالقدوس تمیمی ضعیف ہے جو خود حافظ ہیثمی نے بھی "قَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُوْرُ" کہہ کر اس کے ضعف کی صراحت کر دی ہے [۲] یہ راوی بالاتفاق رافضی ہے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں :

"کُوْفِیٌّ رَافِضِیٌّ "

امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں کہ :

"میں نے ابن معین سے اس راوی کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا :
لَیْسَ بِشَیْءٍ، رَافِضِیٌّ خَبِیْثٌ"

امام ابوداؤد کہتے ہیں :

"ضَعِیْفُ الْحَدِیْثِ یُرْمٰی بِالرَّفْضِ"

امام بخاری کہتے ہیں :

یَرْوِیْ عَنْ اَقْوَامٍ ضِعَافٍ [۳]

تیسری روایت بھی حافظ ہیثمی نے طبرانی کے حوالہ سے نقل کی ہے جس کا سلسلہ علقمہ بن ناجیہ صحابی تک پہنچا دیا گیا ہے۔ اس کے متعلق بھی انہوں نے خود ہی صراحت کر دی ہے کہ اس میں یعقوب بن حمید راوی ہے جسے جمہور نے ضعیف کہا ہے [۴]

چوتھی روایت حافظ سیوطی نے اپنی تفسیر دُرِّ منثور میں ابن جریر وغیرہ کے حوالے سے نقل کی ہے جس کا سلسلہ حضرت عبداللہ بن عباس تک پہنچایا گیا ہے۔ تفسیر ابن جریر میں اس کی سند اس

---

[۱] میزان الاعتدال، ج ۴، ص ۲۱۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۲۵۷۔ ۲۵۹ [۲] مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۱۱۰ [۳] میزان الاعتدال، ج ۲، ۴۵۷۔ تہذیب، ج ۵، ص ۳۰۳ [۴] مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۱۱۰۔ اس کے ضعف کی مزید صراحت کے لئے دیکھیے، میزان الاعتدال، ج ۴، ص ۴۵۱، مقدمہ فتح الباری، ج ۲، ص ۱۷۴۔

طرح بیان کی گئی ہے:

"حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ، حَدَّثَنِیْ عَمِّیْ، قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ"

اس سند میں اول تو یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ سعد کون اور اس کا چچا کون ہے۔ پھر اس کے عم کا باپ اور دادا کون ہے؟ گویا اس میں چار مجہول راوی ہیں جن کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ لہذا ایسی روایات کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟

پانچویں روایت مسند احمد میں آتی ہے جسے سیوطی نے "سَنَدٌ جَیِّدٌ" اور ابن کثیر نے "اَحْسَنُ الطُّرُقِ" کہا ہے، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس کے دیگر طرق ان کے نزدیک بھی ضعف وخلل سے خالی نہیں۔ اس روایت کا حال بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن سابق تیمی ہے، جس کے متعلق ابو حاتم کہتے ہیں:

"یُکْتَبُ حَدِیْثُهٗ وَلَا یُحْتَجُّ بِهٖ — اس کی حدیث لکھ لی جائے لیکن وہ قابل حجت نہیں"

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں:

"کَانَ شَیْخًا صَدُوْقًا وَلَیْسَ مِمَّنْ یُوْصَفُ بِالضَّبْطِ لِلْحَدِیْثِ — راست گو آدمی ہے لیکن ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو حدیث میں موصوف بالضبط ہیں"

ابن معین نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے رجال بخاری میں شمار کیا ہے۔ امام بخاری نے "باب قضاء الوصی دیون المیت" میں ایک روایت اس شک کے ساتھ بیان کی ہے:

"حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ اَوِ الْفَضْلُ بْنُ یَعْقُوْبَ حَدَّثَنَا شَیْبَانُ"

یہاں اگر محمد بن سابق کو ہی صحیح مان لیا جائے تب بھی اس کے ضعف میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ بخاری میں اس روایت کا متابع موجود ہے۔ کتاب المغازی، باب اِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ ........ میں شیبان سے محمد بن سابق یا فضل بن یعقوب کی بجائے ایک اور راوی عبید اللہ بن موسیٰ بیان کرتا ہے، گویا یہ ضعیف راوی مستقلاً بخاری کا راوی نہیں بلکہ متابعتہً ہے۔ اسے

---

ؔ تہذیب التہذیب، ج ۹، ص ۱۷۵۔

اگر رجال بخاری میں شمار کر لیا جائے۔ تب بھی یہ ضروری نہیں کہ اس راوی کی دیگر وہ روایات جو بخاری کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہوں، لازماً صحیح ہوں۔ عین ممکن ہے کہ اس کی روایت صحیح بخاری میں صحیح سند کے ساتھ ہو لیکن دوسرے مقام پر اس کی بیان کردہ روایت نقد و جرح کی کسوٹی پر پوری نہ اتر سکے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

لَا یَلْزَمُ مِنْ کَوْنِ رِجَالِ الْاِسْنَادِ مِنْ رِّجَالِ الصَّحِیْحِ اَنْ یَّکُوْنَ الْحَدِیْثُ الْوَارِدُ بِہٖ صَحِیْحًا لِاحْتِمَالِ اَنْ یَّکُوْنَ فِیْہِ شُذُوْذٌ وَّ عِلَّۃٌ[1]

کسی راوی کا رجال بخاری میں ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس کی دوسری روایات بھی ضرور صحیح ہوں، ممکن ہے اس کی دوسری روایات میں شذوذ اور علت ہو ــــــــ"

یہ ہے مختصراً ان مختلف روایات کا حال کہ کوئی روایت بھی فنی عیب سے خالی نہیں۔ ہر روایت یا تو مرسل ہے یا پھر اس میں کوئی نہ کوئی ایسا راوی موجود ہے جس کی ائمہ جرح و تعدیل نے تضعیف کی ہے۔ اسی لیے حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس واقعے کی صحت میں صاف طور پر شک کا اظہار کیا ہے:

"ذَکَرَ ذٰلِکَ غَیْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُفَسِّرِیْنَ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِصِحَّۃِ ذٰلِکَ"[2]

قاضی ابوبکر ابن العربی نے بھی اس واقعے کی صحت سے انکار کیا ہے[3]

اس تفصیل کے پیش نظر ہمیں اس واقعے سے حضرت ولید کو ملوث ماننے میں سخت تامل ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ آیت جس کے بارے میں اتری ہے وہ کوئی مجہول اور غیر معروف آدمی ہے۔ اس کو بعض راویوں نے ولیدؓ پر چسپاں کر دیا ہے۔ نقل کرنے والوں نے اپنے روایتی تساہل کی بنا پر زیادہ غور و فکر نہیں کیا اور اس کو نقل کرتے چلے آئے۔ اس کی تائید روایات کے بعض طرق سے بھی ہوتی ہے، مثلاً تفسیر طبری میں ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:۔

بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِہٖ اِلٰی قَوْمٍ

---

[1] الافصاح تکمیل النکت علی ابن الصلاح، ص ۴۲ (مخطوطہ مملوکہ حضرت مولانا محب اللہ شاہ مدظلہ درگاہ پیر جھنڈا سندھ) [2] البدایۃ والنہایۃ، ج ۸، ص ۲۱۴ [3] العواصم من القواصم، ص ۹۲-۹۳

لِصَدَقَتِهِمْ فَاَتَاهُمُ الرَّجُلُ "

نیز ام سلمہ کی مذکورہ بالا روایت، جس میں صراحتہً ولید کا ذکر ہے، طبری نے بھی نقل کی ہے مگر اس میں ہر جگہ ولید کی بجائے "رجل" کا لفظ ہے۔

اس کی مزید تائید ان کے اس پس منظر سے ہوتی ہے جس کی ہم نے شروع میں وضاحت کی ہے کہ خلفاءِ راشدین نے ان کی خدمات سے خوب فائدہ اٹھایا اور انہیں ایک نمایاں مقام عطا کیے رکھا، متعدد موقعوں پر جنگی و فوجی ساز و سامان دے کر انہیں مختلف محاذوں پر بھیجا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر فی الواقع یہ آیت ولیدؓ کے بارے میں اتری ہے اور آیت کی رو سے وہ نعوذ باللہ فاسق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دینے والے قرار پائے ہیں تو پھر یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ ایسے شخص پر حضرت ابوبکرؓ نے اعتماد کر کے اہم معاملات ان کے سپرد کیوں کیے؟ عمر فاروقؓ جیسی شخصیت نے کیوں انہیں عامل بنایا؟ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے گورنری جیسا اہم عہدہ انہیں کیوں عطا کیا؟ کیا یہ حضرات اتنے اہم واقعے سے بے خبر ہو سکتے تھے اور باخبر ہونے کی صورت میں کیا وہ مسلسل انہیں نمایاں خدمات پر مامور رکھ سکتے تھے؟

---

# اعتدال اسلام کی نظر میں

کی طرح اعتدال اور توسط کی راہ ہے اور صحیح زندگی اسی کی زندگی ہے جو کہتا ہے:

| | |
|---|---|
| رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً | پروردگا ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے۔ |

کراچی میں "ترجمان الحدیث" کا تازہ پرچہ ملنے کا پتہ
عزیز احمد صاحب ناشران و تاجران کتب نزد بولٹن مارکیٹ بندر روڈ ۔۔۔ کراچی